سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے

صحابہ رضؓ

طالب الہاشمی

حضرت عبداللہ بن عمرؓ — فقیہ الاُمّت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ ـــ فقیہ الاُمّت

(۱)

حضرت سفیان ثوریؒ، امام شعبیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش کے چار نوجوان حرم کعبہ میں جمع ہوئے اور چاروں میں طے پایا کہ ہم میں سے ہر شخص رکنِ یمانی پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش پوری کرنے کے لیے دُعا مانگے۔ چنانچہ پہلے ایک جوان اٹھا اور اس نے دعا مانگی:

''الٰہی تو عظیم ہے اور تجھ سے عظیم چیزیں ہی مانگی جاتی ہیں اس لیے میں تجھ کو تیرے عرش، تیرے حرم، تیرے نبیؐ اور تیری ذات کی حرمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک ارضِ حجاز پر میری خلافت نہ قائم ہو جائے۔''

اس کے بعد دوسرے جوان نے رکنِ یمانی پکڑ کر دُعا مانگی:

''بارِ الٰہا تو کائنات کی ہر شے کا خالق ہے۔ آخر میں ہر چیز کو تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ میں تجھ سے تیری قدرت کا واسطہ دے کر جس کے قبضہ میں تمام عالم ہے، دُعا کرتا ہوں کہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میں عراق کا والی نہ ہو جاؤں......''

پھر تیسرے جوان نے دعا مانگی:

''اے ارض و سما کے مالک میں تجھ سے ایسی چیز مانگتا ہوں جس کو تیرے اطاعت گزار بندوں نے تیرے حکم سے مانگا ہے۔ میں تجھ سے تیری ذات کی کبریائی، تیری مخلوقات اور اہلِ حرم کے حق کا واسطہ دے کر دعا مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا سے اس وقت

تک نہ اٹھا جب تک مشرق و مغرب پر میری حکومت قائم نہ ہو جائے اور جو شخص میرے خلاف کھڑا ہو اس کا سر نہ کچل دوں۔''

اس کے بعد چوتھا جوان اٹھا اور اس نے بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ یہ دعا مانگی:

''اے اللہ تو رحمٰن و رحیم ہے میں تیری اُس رحمت کا واسطہ دے کر دعا کرتا ہوں جو تیرے غضب پر غالب ہے کہ مجھے آخرت میں رُسوا نہ کرنا اور مجھے اُس عالم میں جنت عطا فرمانا۔''

پہلے جوان حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے، دوسرے ان کے چھوٹے بھائی مُصعَب بن زبیرؓ، تیسرا جوان عبدالملک بن مروان تھا اور چوتھے جوان جن کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا صرف اور صرف آخرت کی بھلائی تھی، فقیہ الاُمّت حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے۔

سیدنا حضرت ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عمرؓ کا شمار اساطینِ اُمت میں ہوتا ہے وہ عام طور پر ''ابنِ عمرؓ'' کے نام سے مشہور ہیں یعنی اس عمرِ فاروقؓ کے فرزند جن کے بارے میں سیدالانبیاء والمرسلینؐ نے فرمایا تھا:

''لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَّکَانَ عُمَرُ نَبِیًّا الا اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِی۔''

(اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں۔)

حضرت ابنِ عمرؓ بن خطاب بن نُفَیل بن عبدالعزّیٰ بن رباح بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لُوَیّ۔

کعب بن لُوَیّ پر ان کا سلسلۂ نسب سرورِ عالم ﷺ کے نسب نامہ سے مل جاتا ہے۔

ماں کا نام زینبؓ بنتِ مظعون تھا وہ بنوجُمح سے تھیں اور شرفِ صحابیت سے بہرہ ور تھیں۔

اُمُّ المؤمنین حضرت حفصہؓ بنتِ عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حقیقی بہن تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تاریخِ اسلام کے چار معروف عبادلہ میں سے ایک ہیں۔ باقی تین عبداللہ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓو بن العاص اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ہیں۔ یہ چاروں نادرِ روزگار شخصیات تھیں۔

معتبر روایات کی رو سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ۲ بعدِ بعثت میں پیدا ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ۶ بعدِ بعثت میں اسلام قبول کیا تو حضرت ابنِ عمرؓ تقریباً پانچ برس کے بچے تھے۔ والدِ گرامی کے قبولِ اسلام کے ساتھ وہ خود بخود ہی اسلام کے دامنِ رحمت سے وابستہ ہو گئے اور ان کا نشو و نما خالص اسلامی ماحول میں ہوا۔ ۱۳ بعدِ بعثت میں حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت عبداللہؓ بھی والدِ گرامی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے اس وقت ان کا سن گیارہ برس کا تھا۔ غزوات کا آغاز ہوا اور سرورِ عالم ﷺ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے شوقِ جہاد سے بے تاب ہو کر حضورؐ سے لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت مانگی لیکن آپؐ کا معمول تھا کہ پندرہ برس سے کم عمر کے لڑکوں کو لڑائی میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیتے تھے چونکہ حضرت ابنِ عمرؓ کی عمر اس وقت صرف تیرہ برس کی تھی اس لیے حضورؐ نے انہیں واپس بھیج دیا۔ غزوۂ اُحد میں وہ چودہ برس کے تھے اس لیے اس میں بھی شریک نہ ہو سکے۔

سب سے پہلا غزوہ جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دادِ شجاعت دی غزوۂ احزاب (۵ ھ) تھا۔ اس وقت ان کی عمر لڑائی کے قابل ہو چکی تھی۔

۶ ہجری میں صلح حدیبیہ سے پہلے انہیں بیعتِ رضوان میں شریک ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا۔ اس طرح وہ اصحاب الشجرہ میں شامل ہو گئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی کی بشارت دی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حسنِ اتفاق سے بیعتِ رضوان کا شرف انہیں اپنے جلیل القدر والد سے پہلے حاصل ہو گیا وہ اس طرح کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک انصاری سے گھوڑا لانے کے لیے بھیجا۔ حضرت عبداللہؓ باہر نکلے تو سرورِ عالم ﷺ صحابۂ کرامؓ سے بیعت لے رہے تھے، انہوں نے لپک کر پہلے خود بیعت کی اور پھر والدِ گرامی کو جا کر اطلاع دی۔ وہ بھی فوراً بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور بیعت کی سعادت حاصل کی۔

بیعتِ رضوان کے بعد حضرت ابنِ عمرؓ نے خیبر، فتح، حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں سرورِ عالم ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔

امام بخاریؒ نے فتح مکہ کے سلسلے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت حضرت ابنِ عمرؓ کا سن بیس برس کا تھا اور وہ ایک منہ زور تیز رفتار گھوڑے پر سوار تھے۔ ان کے جسم پر ایک چھوٹی سی چادر تھی اور ہاتھ میں ایک بھاری نیزہ۔ ایک جگہ گھوڑے سے اتر کر اس کے لیے گھاس کاٹنے لگے۔ اتفاق سے حضوؐر کی نظر ان پر پڑی تو آپؐ نے مدح و تحسین کے لہجے میں فرمایا، ''یہ عبداللہ ہے عبداللہ۔'' اس کے بعد وہ حضوؐر کے پیچھے پیچھے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضرت اُسامہؓ بن زیدؓ حضوؐر کے ساتھ سوار تھے اور حضرت بلالؓ اور حضرت عثمانؓ بن طلحہ آپ کے جلو میں تھے۔ خانۂ کعبہ کے صحن میں اونٹ بٹھا کر کنجی منگائی گئی اور کعبہ کا دروازہ کھول کر تینوں ایک ساتھ داخل ہوئے ان کے بعد خانۂ کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہونے کی سعادت حضرت ابنِ عمرؓ کو حاصل ہوئی۔

۱۰ ہجری میں حضرت ابنِ عمرؓ نے حجۃ الوداع میں سرورِ عالم ﷺ کی ہم رکابی کا شرف حاصل کیا۔

۱۱ ہجری میں حضوؐر کا وصال ہوا تو حضرت ابنِ عمرؓ اس قدر ملول اور شکستہ دل ہوئے کہ عمر بھر نہ کوئی مکان بنایا اور نہ کوئی باغ لگایا۔ جب بھی رسول اللہ ﷺ کی یاد آتی بے قابو ہو کر رونے لگتے۔

(۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے دل میں جہادِ فی سبیل اللہ کی بے پناہ تڑپ تھی۔ عہدِ صدیقی میں تو وہ بعض وجوہ کی بنا پر مدینہ منورہ سے باہر نہ جا سکے لیکن عہدِ فاروقی میں ایران، شام اور مصر کی فتوحات میں سرفروشانہ حصہ لیا۔ والدِ گرامی امیر المؤمنین تھے لیکن وہ ایک عام مجاہد کی حیثیت سے لشکرِ اسلام میں شریک ہوئے اور کبھی کسی عہدے کی خواہش نہیں کی۔ واقدی نے کئی معرکوں میں ان کی شجاعت اور جانبازی کے واقعات بیان کیے ہیں۔

۲۳ ہجری کے اواخر میں حضرت عمر فاروقؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور ان کی جاں بری کی کوئی امید نہ رہی تو انہوں نے اپنی جانشینی کا مسئلہ مسلمانوں کی ایک جماعت کے سپرد کر دیا، جس میں اکابر صحابہؓ داخل تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اگرچہ اپنے علم و فضل اور دوسری صلاحیتوں کی بنا پر ہر طرح سے خلافت کے اہل تھے لیکن حضرت عمر فاروقؓ تقویٰ کے اتنے بلند مقام پر فائز تھے کہ

انھیں اپنے فرزند کو خلیفہ نامزد کرنا گوارا نہ ہوا۔ انہوں نے وصیت کردی کہ وہ خلیفہ کے انتخاب میں مشیر کی حیثیت سے تو شریک ہو سکتے ہیں لیکن خلافت کے لیے ان کے نام پر کسی صورت میں غور نہ کیا جائے۔ حضرت عثمان ذوالنورینؓ نے اپنے عہد خلافت میں حضرت ابنِ عمرؓ کو قضا کا عہدہ پیش کیا لیکن انہوں نے اس کو قبول کرنے سے معذرت کردی۔ علاّمہ بلاذریؒ نے ''فتوح البلدان'' میں لکھا ہے کہ ۲۷ ہجری میں حضرت عثمانؓ نے افریقہ (تیونس، الجزائر اور مراکش) پر فوج کشی کی تو حضرت ابنِ عمرؓ لشکرِ اسلام میں شریک ہوگئے اور جہادِ فی سبیل اللہ میں پُر جوش حصہ لیا۔ ابنِ اثیرؒ کے بیان کے مطابق ۳۰ ہجری میں انہوں نے خراسان اور طبرستان کے معرکوں میں بھی حصہ لیا۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے عہد میں فتنوں نے سر اٹھایا تو حضرت ابنِ عمرؓ نے گوشہ نشینی اختیار کرلی کیونکہ انہیں مسلمانوں کا ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہونا کسی صورت میں گوارا نہ تھا۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے انہیں مسندِ خلافت پر بٹھانا چاہا لیکن انہوں نے یہ بارِ گراں اٹھانے سے صاف انکار کردیا۔

امام حاکمؒ نے اپنے ''مستدرک'' میں غسان بن عبدالحمید کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سریرآرائے خلافت ہوئے تو حضرت ابنِ عمرؓ نے اس شرط پر ان کے ہاتھ پر بیعت کی کہ وہ خانہ جنگی میں شریک نہ ہوں گے۔ چنانچہ وہ جنگِ جمل اور جنگِ صفین سے بالکل کنارہ کش رہے لیکن بعد میں ہمیشہ اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے رہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی عملاً حمایت نہیں کی۔ حضرت علیؓ کی شہادت اور حضرت حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد انہوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی بیعت کرلی اور قسطنطنیہ کی مہم میں بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ شریک ہوئے۔

حضرت امیر معاویہؓ کے بعد یزید تختِ حکومت پر بیٹھا تو بقولِ ابنِ سعدؒ انہوں نے اختلافِ اُمت کے فتنے سے بچنے کے لیے یہ کہہ کر اس کی بیعت کرلی کہ اگر یہ خیر ہے تو ہم اس پر راضی ہیں اور اگر بلا ہے تو ہم نے صبر کیا۔ پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی:

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ۔

(پھر اگر تم نے منہ پھیرا تو اس کے ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا گیا۔ اور تمہارے ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا گیا۔)

یزید کے بعد معاویہ ثانی اور مروان بن الحکم مسندِ حکومت پر بیٹھے۔ ۶۵ ہجری میں مروان نے وفات پائی تو اس کا بیٹا عبدالملک خلیفہ بنا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کو تحریری بیعت نامہ بھیج دیا، جس میں لکھا کہ میں اور میرے لڑکے اللہ اور اللہ کے رسول کی سنت پر امیر المؤمنین عبدالملک کی سمع واطاعت کا بقدرِ استطاعت عہد کرتے ہیں۔

حضرت ابنِ عمرؓ نے عبدالملک ہی کے عہدِ خلافت میں ۷۴ ہجری میں بہ عمر چوراسی سال وفات پائی۔ اہلِ سیر نے ان کی وفات کے بارے میں مختلف روایتیں بیان کی ہیں۔ ابنِ سعدؒ نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حجاج بن یوسف خطبہ دے رہا تھا اس میں اُس نے اپنے حریف حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر تہمت لگائی کہ انہوں نے قرآنِ حکیم میں تحریف کی ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ یہ سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بھرے مجمع میں کڑک کر کہا، تو جھوٹ بولتا ہے۔ نہ ابنِ زبیرؓ میں اتنی طاقت ہے اور نہ تجھ میں یہ مجال کہ کلام اللہ میں تحریف کرسکو۔ حجاج کو حضرت ابنِ عمرؓ کی یہ ڈانٹ سخت ناگوار گزری لیکن علانیہ ان پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی البتہ ایک شامی کو اس بات پر مقرر کر دیا کہ حج کے موقعے پر نیزہ کی زہر آلود نوک ان کے پاؤں میں چبھو دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ زہر ان کے جسم میں سرایت کر گیا اور وہ جانبر نہ ہو سکے۔

امام حاکمؒ نے اپنی ''مستدرک'' میں بیان کیا ہے کہ جب حجاج ابنِ زبیرؓ سے لڑنے کے لیے مکہ معظّمہ آیا اور منجنیق نصب کرا کر خانۂ کعبہ کو سنگ باری کا نشانہ بنایا تو وہ سخت برہم ہوئے اور حجاج کو بہت بُرا بھلا کہا۔ اس پر وہ غضب ناک ہوگیا اور اس کے اشارے پر ایک شامی نے ان کو اپنے نیزے کی زہر آلود نوک سے زخمی کر دیا۔ جب وہ بیمار ہوئے تو حجاج ان کی عیادت کے لیے آیا اور کہا، کاش مجھ کو مجرم کا پتہ چل جاتا تو میں اس کا سر اڑا دیتا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا، یہ سب کچھ تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔ نہ تم حرم میں ہتھیار لانے کی اجازت دیتے اور نہ یہ واقعہ پیش آتا۔

ابنِ اثیرؒ کا بیان ہے کہ ایک دن حجاج خطبہ دے رہا تھا۔ اس کو اتنا طول دیا کہ عصر کا وقت تنگ ہوگیا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے فرمایا، آفتاب تیرا انتظار نہیں کرسکتا۔ اس پر حجاج برافروختہ ہوگیا اور ان کا دشمن بن گیا۔

ابنِ خلکان نے لکھا ہے کہ عبدالملک نے فرمان جاری کیا کہ تمام مناسکِ حج حضرت ابنِ عمرؓ کی اقتدا میں ادا کیے جائیں۔ حجاج بن یوسف کو یہ حکم سخت ناگوار گزرا لیکن خلیفہ کے حکم

سے مجبور تھا۔ اس نے اپنے دل کی بھڑاس اس طرح نکالی کہ حضرت ابنِ عمرؓ کو نیزے کی زہر آلود نوک سے زخمی کرادیا۔

ابنِ سعدؒ نے یہ واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حجاج کو خطبہ دیتے دیتے شام ہوگئی۔ نماز کا وقت آیا تو حضرت ابنِ عمرؓ نے کہا ''اے شخص نماز کا وقت آگیا ہے اب بیٹھ جا۔'' ان الفاظ کا تین بار اعادہ کیا لیکن اس نے خطبہ جاری رکھا۔ چوتھی بار انہوں نے لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا کہ اگر میں اٹھ جاؤں تو کیا تم لوگ اٹھنے کے لیے تیار ہو۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں ہم تیار ہیں۔ یہ کہہ کر اٹھے اور حجاج سے کہا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے تمہیں نماز کی ضرورت نہیں ہے۔ اب حجاج منبر سے اتر آیا اور نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت ابنِ عمرؓ کو بلا کر پوچھا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے فرمایا، ہم نماز کے لیے آتے ہیں اس لیے جب نماز کا وقت آجائے تو ٹھیک وقت پر نماز پڑھ لو اس کے بعد جو چاہو کہتے رہو۔

حضرت ابنِ عمرؓ کی اسی صاف گوئی کی وجہ سے حجاج ان کا دشمن بن گیا اور زہر آلود نیزہ سے حج کی بھیڑ بھاڑ میں انہیں زخمی کرادیا۔

حضرت ابنِ عمرؓ کی دلی تمنا تھی کہ وہ مدینہ منورہ میں وفات پائیں لیکن قدرت نے ان کی وفات مکہ معظّمہ میں لکھ رکھی تھی۔ وفات سے پہلے اپنے فرزند سالمؒ کو وصیت کی کہ اب میں یہاں وفات پا رہا ہوں تو مجھے حدودِ حرم کے باہر دفن کرنا۔ انہوں نے والدِ گرامی کی وصیت پر عمل کرنا چاہا لیکن حجاج نے مداخلت کی اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھا کر ''فخِ مہاجرین'' کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا۔

علم و فضل کے اعتبار سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا شمار ان صحابۂ کبارؓ میں ہوتا ہے، جو جملہ دینی علوم کا بحرِ بے پایاں تھے۔ انہیں نہ صرف سالہا سال تک فیضانِ نبوی سے براہِ راست بہرہ یاب ہونے کا موقع ملا بلکہ سیدنا فاروقِ اعظمؓ جیسے نابغۂ عصر والد کی تعلیم و تربیت بھی میسر آئی۔ اس طرح وہ فضل و کمال کے اتنے بلند مقام پر فائز ہوگئے کہ بڑے بڑے فضلاء صحابہ ان پر رشک کیا کرتے تھے۔ قرآنِ حکیم اور اس کی تفسیر سے اتنا شغف تھا کہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ

قرآنی سورتوں اور آیات پر فکر و تدبر میں گزارتے تھے۔ مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ انہوں نے صرف سورۂ بقرہ پر فکر و تدبر میں چودہ برس صرف کیے۔ عہدِ رسالت میں انہیں اکابر صحابہؓ کے ساتھ اکثر سرورِ عالم ﷺ کی علمی مجلسوں میں شریک ہونے کی سعادت حاصل ہوتی تھی، اس طرح ان کو قرآنِ حکیم کی تفسیر اور تفہیم میں غیر معمولی بصیرت حاصل ہوگئی تھی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ صحابۂ کرامؓ کے مجمع میں رونق افروز تھے۔ حضرت ابنِ عمرؓ بھی موجود تھے۔ حضورؐ نے قرآنِ حکیم کی یہ آیت پڑھی:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ (سورۂ ابراہیم: ۲۴، ۲۵)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں۔ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا اور میوے دیتا ہو۔

پھر آپؐ نے صحابۂ کرامؓ سے پوچھا کہ اس آیت میں کس درخت کی مثال دی گئی ہے؟ تمام صحابۂ کرامؓ خاموش رہے تو آپؐ نے خود بتایا کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ بعد میں حضرت ابنِ عمرؓ نے اپنے والدِ گرامی حضرت عمرؓ کو بتایا کہ میں سمجھ چکا تھا کہ یہ کھجور کے درخت کی مثال ہے لیکن بزرگ صحابہ کی خاموشی کی وجہ سے چپ رہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیٹے اگر تم اس مجلس میں بتا دیتے تو مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔

قرآنِ حکیم میں فہم و بصیرت کے علاوہ حضرت ابنِ عمرؓ کو حدیث سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ ان سے ایک ہزار چھ سو تیس احادیث مروی ہیں۔ ان میں ۱۷۰ متفق علیہ ہیں۔ ۸۱ میں بخاری اور ۳۱ میں مسلم منفرد ہیں۔ وہ حضورؐ کے نہ صرف ان ارشادات کو جو آپؐ سے براہِ راست سنتے تھے، حرزِ جان بنا لیتے تھے بلکہ ان کو بھی جو دوسروں کی وساطت سے ان تک پہنچتے تھے یاد رکھتے تھے، اس طرح حُفّاظِ حدیث میں ان کو ایک خاص مقام حاصل ہوگیا تھا۔ بایں ہمہ وہ روایتِ حدیث میں بہت محتاط تھے اور اسی وقت کوئی حدیث بیان کرتے تھے جب پورا یقین ہوتا تھا کہ اس میں

کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہے۔ اسی شدّتِ احتیاط کی بنا پر ان کی مرویات کو بہت مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان کے اساتذہ میں حضرت ابوبکر صدّیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان ذوالنورینؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، اُمّ المومنین حضرت حفصہؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت بلال حبشیؓ، حضرت صہیب رومیؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت رافعؓ بن خدیج جیسے عظیم المرتبت صحابہؓ وصحابیاتؓ شامل ہیں۔ ان کے ارشد تلامذہ میں سالمؒ، عبیداللہؒ، محمدؒ، نافعؒ، حفصؒ، عروہؒ بن زبیرؒ، موسیٰ بن طلحہؒ، ابوسلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ، سعیدؒ بن مسیّبؒ، قاسمؒ، ابو بردہؒ بن ابوموسیٰ اشعریؒ، سعید بن یسارؒ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، سعید بن جبیرؒ، طاؤسؒ، عطاءؒ، ابوالزبیرؒ اور ابی ملیکہؒ کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

فقہ جس پر تشریعِ اسلامی کا دارومدار ہے، حضرت ابنِ عمرؓ کو اس میں بھی درجۂ تبحر حاصل تھا۔ انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ تعلیم وتعلّم اور درس وافتاء میں گزارا۔ حافظ ابنِ قیم کہتے ہیں کہ ''اگر حضرت ابنِ عمرؓ کے فتاویٰ جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہوسکتی ہے۔'' فقۂ مالکی کا تمام تر دارومدار حضرت ابنِ عمرؓ ہی کے فتاویٰ پر ہے۔ امام مالکؒ کا قول ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ ائمۂ دین میں سے تھے۔ اپنے تفقّہ فی الدّین کی بنا پر حضرت ابنِ عمرؓ فقیہ الاُمّت کے لقب سے مشہور ہوگئے تھے۔ بایں ہمہ وہ فتویٰ دینے میں بے حد محتاط تھے۔ اگر کسی بات میں ذرا بھی شبہ ہوتا تو ہرگز فتویٰ نہ دیتے اور مستفتی کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے کہ یہ مسئلہ مجھے معلوم نہیں۔ قیاس واجتہاد میں بھی خداداد ملکہ حاصل تھا لیکن اس سے اسی وقت کام لیتے جب کتاب وسنت میں کسی مسئلے کے بارے میں واضح احکام نہ ملتے ہوں۔ ایسا کرتے وقت وہ مستفتی سے صاف صاف کہہ دیتے کہ یہ میرا قیاس ہے اس کے باوجود بڑے بڑے ائمہ ان کی رائے کے بعد پھر کسی دوسری رائے کی ضرورت نہ سمجھتے تھے۔

دینی علوم کے علاوہ حضرت ابنِ عمرؓ عرب کے دیگر علوم، شاعری، خطابت اور نسابی میں بھی درک رکھتے تھے لیکن ان میں اپنا وقت صرف کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ بحیثیتِ مجموعی وہ علم و فضل کے مجمع البحرین تھے اور بقول ابنِ سعدؒ ایک زمانہ میں لوگ دُعا مانگا کرتے تھے کہ الٰہی ہماری زندگی میں ابنِ عمرؓ کو زندہ رکھنا کہ ہم ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے رہیں، آج ان سے زیادہ عہدِ رسالت کا کوئی واقف کار نہیں۔

(۶)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے گلشنِ اخلاق میں حُبِّ رسولؐ ، اتباعِ سنت ، خشیتِ الٰہی ، شوقِ جہاد وعبادت ، زُہد وتقویٰ ، فیاضی وایثارِ نفسی ، تواضع وانکسار ، استغنا وقناعت ، سادگی اور حق گوئی وبیباکی سب سے خوش رنگ پھول ہیں۔

حُبِّ رسولؐ کی یہ کیفیت تھی کہ عہدِ رسالت میں زیادہ سے زیادہ وقت بارگاہِ رسالت میں حاضر رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضورؐ کا وصال ہوا تو وہ اس قدر مغموم اور شکستہ دل ہوئے کہ عمر بھر نہ کوئی مکان بنایا اور نہ کوئی باغ لگایا۔ جب بھی زبان پر رسول اللہ ﷺ کا اسمِ گرامی آتا آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔ جب غزواتِ رسولؐ کے مقامات سے گزر ہوتا تو آنکھوں کے سامنے عہدِ رسالت کا نقشہ کھنچ جاتا اور اشک بار ہوجاتے۔ کوئی ان کے سامنے حضورؐ کا ذکر کرتا تو بے قابو ہو کر رونے لگتے۔ یحییٰ بن یحییٰؒ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیوخ سے سنا ہے کہ بعض لوگ حضرت ابنِ عمرؓ کے عشقِ رسولؐ کی کیفیت دیکھ کر انہیں مجنون تک کہنے لگے تھے۔ دراصل حضرت ابنِ عمرؓ کو عشقِ رسولؐ کی بنا پر پابندیِ سنت کا والہانہ جنون تھا اور ان کی زندگی سرورِ عالم ﷺ کی حسین ودلکش زندگی کا پرتو جمیل بن گئی تھی۔ وہ چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں بھی نہایت شدت کے ساتھ اتباعِ سنت کا التزام کرتے تھے حتیٰ کہ اتفاقی اور بشری عادت میں بھی وہ حضورؐ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ سفر وحضر میں حضورؐ نے جہاں کبھی نماز ادا کی، حضرت ابنِ عمرؓ بھی وہاں نماز ادا کرتے تھے جہاں آپؐ نے آرام فرمایا وہاں آرام کرتے تھے۔ جہاں آپؐ نے تھوڑی دیر کے لیے قیام فرمایا، حضرت ابنِ عمرؓ نے بھی وہاں ضرور قیام کیا۔ جن درختوں کے سایے میں حضورؐ نے کبھی آرام فرمایا تھا، حضرت ابن عمرؓ ان کو پانی دیتے تھے تاکہ خشک نہ ہونے پائیں اور وہ بھی ان کے سایہ میں آرام کر کے سنت کی پیروی کرسکیں۔ جب سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے روضۂ نبویؐ پر حاضر ہوتے اور سلام کہتے۔ مدینہ منورہ سے اس قدر محبت تھی کہ کسی حالت میں بھی وہاں سے نکلنا گوارا نہ تھا۔ ایک مرتبہ ان کے غلام نے تنگ دستی کی بنا پر مدینہ چھوڑنے کی اجازت چاہی۔ فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص مدینہ کے مصائب پر صبر کرے گا، قیامت کے دن میں اس کی شفاعت کروں گا۔

سرورِ عالم علیہ وسلم کی آل اولاد سے بھی غیر معمولی محبت تھی اور وہ لوگوں کو اکثر ان کے فضائل سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔ عام طور پر معلوم ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ مناسکِ حج کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ مناسکِ حج میں رسول اللہ علیہ وسلم کے تمام سنن کا بدرجۂ غایت لحاظ رکھتے تھے یہاں تک کہ آپؐ نے جہاں جہاں طہارت کی تھی وہاں وہ بھی ضرور طہارت کرتے تھے۔ حج کے سفر میں وہی راستہ اختیار کرتے تھے جو حضورؐ نے اختیار کیا تھا۔ حضورؐ ذوالحلیفہ میں اتر کر نماز پڑھتے، حضرت ابنِ عمرؓ بھی ذوالحلیفہ میں ضرور نماز پڑھتے تھے۔ حضورؐ نے جن مقامات پر منزل کی تھی وہ بھی وہاں منزل کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم مسجدِ قبا میں کبھی پاپیادہ اور کبھی سواری پر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت ابنِ عمرؓ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ حضورؐ مکہ میں داخل ہونے سے قبل بطحا میں تھوڑا سا سو لیتے تھے، حضرت ابنِ عمرؓ کا بھی یہی معمول تھا۔ حضورؐ اپنے جاں نثاروں کی دعوت ہمیشہ قبول فرمالیا کرتے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی کسی کی دعوت رَدّ نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ روزہ کی حالت میں بھی دعوت میں تشریف لے جاتے تھے گو کھانے میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ غرض وہ تمام کاموں میں اسوۂ نبویؐ کو پیش نظر رکھتے تھے۔

حضرت ابنِ عمرؓ نے نہایت گداز دل پایا تھا۔ خوف خدا اور روزِ جزا سے ہر وقت لرزاں وترساں رہتے تھے۔ کوئی آیت جس میں محاسبۂ آخرت کا ذکر ہوتا، سنتے تو لرزہ براندام ہوجاتے اور رونے لگتے۔ ایک دن عبید بن عمر سے یہ آیت سنی:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ (النسآء:۴۱)

اے رسولؐ! آخرت کے) اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمّت سے ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔)

آیت سنتے ہی بے اختیار رونے لگے۔ یہاں تک کہ ڈاڑھی اور گریبان آنسوؤں سے بھیگ گئے۔

خشیتِ الٰہی نے ان کے دل میں جہاد اور عبادت کا ایسا شوق پیدا کردیا تھا کہ ان کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ پندرہ برس کی عمر سے لے کر بڑھاپے تک جہادِ فی سبیل اللہ میں برابر

حصہ لیتے رہے۔ عبادت کی یہ کیفیت تھی کہ قائم اللّیل اور دائم الصّوم تھے (نہایت کثرت سے نمازیں پڑھتے تھے اور نہایت کثرت سے روزے رکھتے تھے) بعض اوقات ایک رات میں پورا قرآن پڑھ لیتے تھے۔ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ساٹھ حج کیے اور ایک ہزار عمرے۔

زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ تھے۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے ''تہذیب التہذیب'' میں لکھا ہے کہ جوانانِ قریش میں عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ کوئی شخص اپنے نفس پر قابو رکھنے والا نہیں تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ آغازِ شباب ہی میں مسجد میں جا کر سویا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے خواب میں دوزخ کے فرشتوں کو دیکھا۔ دوسرے دن اس کا ذکر اپنی بہن اُمّ المؤمنین حضرت حفصہؓ سے کیا۔ انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپؐ نے فرمایا: ''عبداللہ جوانِ صالح ہے۔''

حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاریؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سوائے ابنِ عمرؓ کے کوئی شخص ایسا نہ تھا، جس کو دنیا کی دلفریبیوں نے اپنی طرف مائل نہ کیا ہو لیکن ان کا دامن کبھی دنیا سے آلودہ نہ ہوا۔ جو شخص حضورؐ کے کسی ایسے صحابی کو دیکھنا چاہے جس میں آپؐ کے وصال کے بعد بھی مطلق کوئی تغیر نہیں ہوا تو وہ ابنِ عمرؓ کو دیکھے۔

ایک دفعہ کوئی شخص ان کی خدمت میں جوارش (یا چورن) لے کر حاضر ہوا۔ پوچھا، یہ کیا ہے؟ اس نے کہا، ہاضمِ طعام۔ انہوں نے فرمایا، مجھے اس کی کیا ضرورت ہے، میں نے تو مہینوں سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

ایک مرتبہ کسی سے پانی مانگا۔ اس نے شیشے کے پیالے میں لا کر پیش کیا۔ انہوں نے پینے سے انکار کر دیا۔ پھر ان کے سامنے لکڑی کے پیالے میں پانی پیش کیا گیا، اب انہوں نے پی لیا۔ پانی پی کر وضو کے لیے برتن مانگا تو ان کے سامنے طشت و آفتابہ لایا گیا۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا اور لوٹے سے وضو کیا۔

میمون بن مہرانؒ کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے تمام اثاث البیت کی قیمت لگائی تو سو درہم سے زیادہ کا سامان نہ تھا۔ اس میں فرش اور بستر بھی شامل تھا۔

حضرت ابنِ عمرؓ کے پاس دنیا کئی بار پورے ساز و سامان کے ساتھ آئی لیکن انہوں نے

اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ان کو بارہا ایسے موقعے ملے کہ اگر چاہتے تو بڑے سے بڑا عہدہ کیا، مسند خلافت تک پہنچ سکتے تھے۔ زروجواہر سمیٹنا چاہتے تو اپنے دور کے متمول ترین آدمی بن سکتے تھے لیکن انہوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور اپنے زہد وتقویٰ سے باہر قدم نہ نکالا۔ ان کے زمانے میں جو سیاسی لڑائیاں ہوئیں انہوں نے ان میں مطلق کوئی حصہ نہیں لیا۔ خانہ جنگی کے فتنے میں مبتلا ہونے کے خوف سے ہر امیر کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تھے اور نتائج کو خدا پر چھوڑ دیتے تھے۔

سادگی کا یہ عالم تھا کہ تمام کام جو خود کر سکتے تھے اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے حتیٰ کہ اونٹنی وغیرہ بٹھانے میں بھی دوسروں سے مدد نہ لیتے تھے۔ لباس عموماً نہایت معمولی پہنتے تھے۔ البتہ کبھی کبھار عمدہ لباس بھی زیبِ تن کر لیتے تھے وہ بھی اس لیے کہ ایک دو مرتبہ حضورؐ کو ایسا کرتے دیکھا تھا۔ لباس قمیص، ازار اور سیاہ عمامہ پر مشتمل ہوتا تھا۔ ازار نصف ساق تک ہوتا تھا۔ حضورؐ کو زرد رنگ پسند تھا اس لیے ان کو بھی زرد رنگ مرغوب تھا۔

دسترخوان بھی تکلّفات سے خالی ہوتا تھا۔ بعض اوقات ایک بڑے برتن میں کھانا رکھ دیا جاتا تھا۔ وہ اپنے اہل وعیال کے ساتھ اس کے گرد بیٹھ کر کھا لیتے۔ انہیں ہر وہ چیز ناپسند تھی، جس میں کسی قسم کی نمائش یا تکلف کی آمیزش ہوتی یہاں تک کہ جمعہ کے دن کے سوا کبھی سر ڈاڑھی اور کپڑوں میں خوشبو نہیں لگائی۔

دنیوی حیثیت سے حضرت ابنِ عمرؓ بہت مرفہ الحال تھے۔ دینی خدمات کی بنا پر ان کا ڈھائی ہزار ماہانہ وظیفہ مقرر تھا۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری کے مطابق وہ بہت سی لگانی زمینوں کے مالک بھی تھے لیکن وہ اپنے مال کو بے دریغ راہِ خدا میں لٹاتے رہتے تھے۔ فیاضی اور سیر چشمی ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ کسی سائل کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ نہ جانے دیتے تھے۔ بیسیوں فقراء ومساکین ان کے دسترخوان پر پرورش پاتے تھے۔ عموماً کسی مسکین کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھائے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے، بلکہ بعض اوقات اپنے حصے کا کھانا بھی مسکینوں کو کھلا دیتے اور خود بھوکے رہتے۔ ایک مرتبہ ان کو مچھلی کی خواہش ہوئی جب مچھلی بھون کر ان کے سامنے رکھی گئی تو ایک سائل کا گزر ہوا وہ اٹھا کر اس کو دے دی۔

ایک دفعہ علیل ہوئے اور ان کے لیے انگور کے چند دانے ایک درہم کو خریدے گئے، اتفاق سے ایک سائل آ گیا۔ انہوں نے حکم دیا، یہ انگور اس کو دے دو۔ اہلِ خانہ نے عرض کیا، آپ ان کو کھالیں ہم اس کو کچھ اور دے دیں گے، لیکن وہ مصر ہوئے کہ یہ انگور سائل کو دے دو۔ مجبوراً وہی دینے پڑے اور پھر اس سے خرید کر ان کی خدمت میں پیش کیے گئے۔

ایک مرتبہ راستے میں ایک کھجور پائی، منہ تک لے جانے بھی نہ پائے تھے کہ ایک سائل کا گزر ہوا، انہوں نے یہ کھجور اس کو دے دی۔

طبقات ابنِ سعد میں حضرت ابنِ عمرؓ کے غلام اور شاگرد نافعؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان کے پاس ہزار درہم یا دینار (اس کی تصریح نہیں کی گئی) آئے۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے لوگوں کو دینے شروع کیے یہاں تک کہ سب ختم کر ڈالے۔ تقسیم ہو جانے کے بعد جو لوگ آئے ان کو دوسرے لوگوں سے (جنہیں پہلے دے چکے تھے) قرض لے کر دیے۔

کہیں قیام ہوتا تو اکثر روزہ رکھتے تھے لیکن کوئی مہمان آ جاتا تو روزہ توڑ دیتے اور فرماتے کہ مہمان کی موجودگی میں روزہ (نفلی) رکھنا فیاضی سے بعید ہے۔

حافظ ابنِ حجرؒ نے ''اِصابہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ دو دو تین تین ہزار کی رقمیں تو آئے دن خیرات کرتے رہتے تھے لیکن بعض اوقات بیس بیس اور تیس تیس ہزار کی رقمیں بھی یکمشت راہِ خدا میں لٹا دیتے تھے۔

اگر کبھی کوئی غلام یا لونڈی بہت پسند ہوتی یا اپنے کسی غلام کو بہت عبادت گزار دیکھتے تو اس کو آزاد کر دیتے۔ اس طرح انہوں نے اپنی زندگی میں ایک ہزار سے زیادہ غلام آزاد کیے۔

ایک دفعہ سفرِ حج کے لیے ایک اونٹنی خریدی سوار ہوئے، اس کی چال بہت پسند آئی، فوراً اتر پڑے اور حکم دیا کہ سامان اتار لو اور اس کو قربانی کے اونٹوں میں شامل کر دو۔

ایک مرتبہ چند دوستوں کے ساتھ مدینہ کے ایک نواحی علاقے میں تشریف لے گئے۔ ایک مقام پر دسترخوان بچھایا گیا تو ایک چرواہا اُدھر آ نکلا۔ اس نے سلام کیا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کو کھانے کی دعوت دی۔ اس نے عذر کیا کہ میں روزے سے ہوں۔ انہوں نے فرمایا، اتنی گرمی میں روزہ رکھتے ہو اور پھر بکریاں بھی چراتے ہو؟ پھر اس سے پوچھا، کیا یہ بکریاں ہمارے ہاتھ فروخت کر سکتے ہو، ہم تمہیں نقد قیمت بھی دیں گے اور افطار کے لیے گوشت بھی۔

چرواہے نے عرض کیا، یہ بکریاں میری نہیں ہیں ان کا مالک میرا آقا ہے۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے (اس کے تقویٰ کا امتحان لینے کی خاطر) فرمایا، تو تمہارا آقا کیا کر لے گا؟

چرواہے نے آسمان کی طرف انگلیاں اٹھائیں اور این اللہ این اللہ (اللہ کہاں ہے اللہ کہاں ہے) کہتا ہوا چلا۔ (مطلب یہ تھا کہ اللہ تو اس بددیانتی کو جان لے گا)۔ حضرت ابنِ عمرؓ کو اس کا یہ قول بہت پسند آیا اور اس کو بار بار دہراتے رہے۔ چونکہ اس کی دیانت اور خدا خوفی سے بے حد خوش ہوئے تھے اس لیے جب مدینے آئے تو اس کے آقا سے بکریوں سمیت خرید کر آزاد کر دیا اور تمام بکریاں بھی اس کو بخش دیں۔

ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک بدو ملا۔ حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کو سلام کیا اور سواری کا گدھا اور سر کا عمامہ اتار کر اس کو دے دیا۔ ابنِ دینارؒ ساتھ تھے انہوں نے عرض کیا، اللہ آپ کو صلاحیت دے، یہ بدو تو معمولی چیزوں سے خوش ہو جاتے ہیں (گدھا اور عمامہ دینے کی کیا ضرورت تھی) فرمایا، اس کے والد میرے والد کے دوست تھے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ سب سے بڑی نیکی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک ہے۔

حضرت ابنِ عمرؓ کے بعض غلام آزاد ہونے کے لیے بڑے عبادت گزار بن جاتے تھے۔ ان کے بعض احباب نے عرض کیا کہ یہ لوگ عبادت میں مخلص نہیں ہیں اور آپ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ فرمایا، جو شخص ہم کو اللہ کے ذریعے دھوکا دیتا ہے، ہم اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

ان کے ہاتھ سے جو مال نکل جاتا تھا اس کو پھر واپس نہیں لیتے تھے۔ عطاءؒ کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے ان کو دو ہزار درہم قرض دیے۔ انہوں نے جب اس قرض کو چکایا تو میں نے ان کے درہموں کا وزن کیا وہ وزن میں دو سو درہم زیادہ نکلے۔ میں نے یہ دو سو درہم واپس کرنے چاہے تو فرمایا، اب یہ تمہارے ہیں۔

چوں کہ اکثر اپنا کھانا مسکینوں کو کھلا دیتے تھے اس لیے بہت لاغر ہو گئے تھے۔ لوگوں نے ان کی بی بی کو ملامت کی کہ آپ ان کی خدمت اچھی طرح نہیں کرتیں۔ انہوں نے کہا، میں کیا کروں، جب ان کے لیے کوئی کھانا پکتا ہے تو وہ مساکین کو کھلا دیتے ہیں۔ ان کی اس عادت کی بنا پر جب وہ مسجد سے نکلتے تو فقراء و مساکین ان کے راستے میں آ بیٹھتے وہ انہیں اپنے ساتھ لے

آتے اور کھانا کھلا کر بھیجتے۔ چنانچہ ایک دن ان کی بی بی نے ان فقراء کے گھروں پر کھانا بھجوادیا اور ساتھ ہی کہلا بھیجا کہ ان کے راستے میں مت بیٹھنا اور وہ بلائیں بھی تو مت آنا۔

حضرت ابنِ عمرؓ اس دن مسجد سے نکلے تو کسی فقیر کو راستے میں بیٹھا نہ پایا، گھر آئے تو واقعہ معلوم ہوا۔ غصہ سے فرمایا کیا تم چاہتی ہو کہ مساکین میرے دسترخوان پر نہ ہوں اور میں رات فاقے سے بسر کروں۔ چنانچہ اس رات کھانا نہ کھایا اور بھوکے پڑ رہے۔

اپنی جلالتِ قدر کے باوجود حضرت عبداللہ بن عمرؓ تواضع، انکسار اور اخلاقِ حسنہ کا مجسمہ تھے۔ لوگوں کو سلام کرنے میں ہمیشہ پہل کیا کرتے تھے اس میں امیر وغریب کی بالکل تفریق نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں بازار میں اس لیے نکلتا ہوں کہ لوگوں کو سلام کروں اور (جواب میں) مجھ پر سلام کیا جائے۔ اگر کسی کو سلام کرنا بھول جاتے تو پلٹ کر سلام کرتے۔

مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ سفر میں ہوتا تھا، جہاں تک ممکن ہوتا وہ اپنا کام خود کرتے تھے یہاں تک کہ خود اونٹ کا پاؤں دباتے تو میں اس پر سوار ہوتا۔

مسند احمد میں ہے کہ اپنی تعریف سننا ان کو سخت ناپسند تھا۔ ایک مرتبہ کوئی شخص ان کی تعریف کر رہا تھا انہوں نے اس کے منہ میں مٹی جھونک دی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ منہ پر تعریف کرنے والوں (خوشامدیوں) کے منہ میں مٹی ڈالا کرو۔

حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ انہوں نے جواب میں صرف اتنا فرمایا، بھائی ہم لوگ عالی نسب ہیں۔ پھر خاموش ہو گئے۔ (الاصابہ)

ایک دفعہ ایک شخص نے ان سے پوچھا، آپ کون ہیں؟ فرمایا، جو تم کہو میں وہی ہوں، اس نے کہا، آپ سبط ہیں، آپ وسط ہیں۔

فرمایا، سبحان اللہ، سبط تو بنی اسرائیل تھے اور وسط تمام اُمتِ محمدؐیہ ہے البتہ ہم قبیلہ مضر کے اوسط ہیں۔ اس سے زیادہ رتبہ کوئی ہمیں دیتا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔

وہ ہمیشہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کوئی ان کو وضو کرائے۔

ایک دفعہ کسی نے ان کو نہایت بیش قیمت ہروی کپڑے ہدیۃً پیش کیے۔ انہوں نے ان

کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ان کے پہننے میں کوئی حرج نہیں تھا لیکن ہم کبر و غرور کے خوف سے ان کو نہیں پہن سکتے۔

ایک دفعہ حالتِ احرام میں سردی محسوس ہوئی تو اپنے ایک شاگرد قرعہ عقیلی سے فرمایا، میرے اوپر چادر ڈال دو۔ انہوں نے چادر اوڑھا دی۔ بیدار ہوئے تو اس کے نقش و نگار اور بوٹوں کو جو ریشمی تھے، دیکھنے لگے۔ پھر فرمایا، اگر یہ بوٹے نہ ہوتے تو اس کے اوڑھنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔

اگر کسی ایسی جگہ تشریف لے جاتے جہاں لوگ انہیں دیکھ کر ازراہِ تعظیم کھڑے ہو جاتے تو وہاں نہ بیٹھتے تھے۔ (ابن سعد)

غلاموں کے ساتھ ان کا سلوک نہایت مشفقانہ بلکہ مساویانہ ہوتا تھا۔ انہیں اپنے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھلاتے تھے اور اپنے اہل و عیال کی طرح ان کے کھانے پینے کا خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ان لوگوں کو کھانا کھلانے میں دیر ہو گئی۔ حضرت ابنِ عمرؓ کو معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے۔ اور حکم دیا کہ انہیں فوراً کھانا کھلایا جائے۔ پھر فرمایا، انسان کے لیے یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ اپنے غلاموں کے کھانے پینے کا خیال نہ رکھے۔ (مسلم)

دستر خوان پر بیٹھے ہوتے اور کسی دوسرے کا غلام بھی وہاں آ جاتا تو اس کو بھی شریکِ طعام کر لیتے۔ انہوں نے اپنے غلاموں کو ہدایت کر رکھی تھی کہ جب مجھے خط لکھو تو اس میں میرے نام سے پہلے اپنا نام لکھو، حالانکہ اس وقت کے رواج کے مطابق آقا کا نام پہلے لکھا جاتا تھا۔ (ابن سعد)

غلاموں کو نہ کبھی سخت سست کہتے تھے اور نہ کبھی ان پر ہاتھ اٹھاتے تھے اگر کبھی ایک آدھ مرتبہ غصہ کی حالت میں کسی غلام پر سختی کر بیٹھے تو کفّارہ کے طور پر اس کو آزاد کر دیا۔ (صحیح مسلم)

اپنے اخلاقِ حسنہ، تواضع اور انکسار کی بدولت انہیں عوام الناس میں درجۂ محبوبیت حاصل ہو گیا تھا۔ لوگ ان سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ گھر سے باہر نکلتے تو قدم قدم پر لوگ ان کو سلام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مجاہدؒ ساتھ تھے، ان سے مخاطب ہو کر تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا، لوگ مجھ سے اس قدر محبت کرتے ہیں کہ اگر سونے چاندی کے بدلے میں بھی محبت خریدنا چاہوں تو اس سے زیادہ نہیں مل سکتی۔ (طبقات ابنِ سعد)

⑨

حضرت ابنِ عمرؓ کی طبیعت میں استغنا اور قناعت کا مادہ بدرجۂ اتم پایا جاتا تھا۔ اگرچہ وہ سنت نبوی کے مطابق ہدیہ قبول کر لیتے تھے لیکن کسی کے سامنے کبھی دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ علامہ ابن سعدؒ نے ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں کسی سے مانگتا نہیں لیکن جو اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کو رَدّ بھی نہیں کرتا۔" ایک دفعہ ان کی پھوپھی رملہؓ نے دوسو دینار بھیجے۔ انہوں نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیے اور انہیں دُعا دی۔

ایک مرتبہ عبدالعزیز بن ہارون نے ان کو لکھا کہ آپ کی جو حاجت ہو، مجھ سے طلب فرمایئے۔ انہوں نے جواب میں لکھ بھیجا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اپنے اہل و عیال سے (لینے دینے کی) ابتدا کرو اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ میرا خیال ہے کہ دینے والا ہاتھ اوپر کا ہے اور لینے والا نیچے کا۔ میں آپ سے نہ سوال کروں گا اور نہ اس مال کو رَدّ کروں گا جس کو خدا نے میری طرف بھیجا ہے۔

ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ایک لاکھ کی رقم ایک خاص مقصد کے لیے انہیں بھیجی لیکن انہوں نے یہ رقم قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

مال و دولت ان کے نزدیک بالکل بے حقیقت شے تھی۔ اگر ذرا بھی شبہ ہو جاتا کہ مالی ہدیہ خلوص سے نہیں بلکہ کسی ذاتی غرض سے پیش کیا گیا ہے تو اس کو قبول نہ کرتے۔ اسی طرح کسی چیز میں صدقہ کے شائبہ کا بھی خیال ہوتا تو اس کو استعمال نہ کرتے۔ ایک دفعہ انہوں نے اپنی والدہ پر ایک غلام صدقہ کیا۔ اتفاق سے اس غلام کے ساتھ بازار گئے وہاں ایک شیر دار بکری فروخت ہو رہی تھی۔ انہوں نے غلام سے کہا، اپنے مال سے اس کو خرید لو۔ اس نے خرید لی اور افطار کے وقت اسی بکری کا دودھ ان کے سامنے پیش کیا۔ انہوں نے فرمایا، یہ دودھ بکری کا ہے، بکری غلام کے مال کی ہے اور غلام صدقے کا ہے، اس کو ہٹاؤ میں نہیں پیوں گا۔

مشتبہ چیزوں سے سخت اجتناب کرتے تھے۔ ایک دفعہ کسی نے کھجور کا سرکہ بطور ہدیہ بھیجا پوچھا، کیا چیز ہے، معلوم ہوا کھجور کا سرکہ ہے۔ انہوں نے اس کو فوراً پھینکوا دیا کیونکہ اس کے استعمال سے سُکر پیدا ہونے کا احتمال تھا۔

ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ وہ ککڑی اور خربوزہ صرف اس لیے نہیں کھاتے تھے کہ ان میں گندی چیزوں کی کھاد دی جاتی ہے۔ (یہ ان کی شدّتِ احتیاط تھی ورنہ ان چیزوں کے استعمال میں کوئی کراہت نہیں)

مروان بن الحکم نے اپنے زمانہ میں راستوں پر میل کے سنگی نشان نصب کرائے تھے۔ حضرت ابنِ عمرؓ ان پتھروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا مکروہ سمجھتے تھے اور ان سے ہٹ کر نماز پڑھتے تھے کیونکہ ان کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے پر پتھر کی پرستش کا خیالی شائبہ تھا۔

۱۰

حضرت ابنِ عمرؓ کی زندگی ہمیشہ مصالحانہ اور مرنجاں مرنج رہی۔ انہوں نے مسلمانوں کے باہمی جھگڑوں میں حصہ لیا نہ حکومت وقت کے خلاف کسی سرگرمی میں۔ تاہم جس بات کو حق سمجھتے تھے اس کا برملا اظہار کرتے تھے خواہ حاکمِ وقت کی پیشانی پر بل ہی کیوں نہ پڑ جائیں۔ ان کی حق گوئی اور بے باکی کے کچھ واقعات اوپر بیان کیے جا چکے ہیں۔ اکثر مؤرخین کی رائے میں ان کی یہی حق گوئی ان کی شہادت کا باعث بنی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ مچھر کے خون کا کفّارہ کیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا، تم کون ہو؟ اس نے کہا، عراقی۔ فرمایا، لوگو ذرا اس کو دیکھنا یہ شخص مجھ سے مچھر کے خون کا کفارہ پوچھتا ہے حالانکہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے جگر گوشے کو شہید کیا ہے، جن کے بارے میں حضورؐ فرماتے تھے کہ یہ دونوں (حسنؓ و حسینؓ) میرے باغِ دنیا کے دو پھول ہیں۔

سانحۂ کربلا کے بارے میں اس طرح کے جذبات کا اظہار اربابِ اقتدار کو مشتعل کر سکتا تھا لیکن حضرت ابنِ عمرؓ نے اس کی کبھی پروا نہیں کی، جو دل میں ہوتا وہ بلا جھجک زبان پر لے آتے۔

حضرت ابنِ عمرؓ نہایت صائب الرائے اور دانا تھے۔ اہلِ سِیَر نے ان کے متعدد حکیمانہ اقوال نقل کیے ہیں، جن سے ان کی غیر معمولی بصیرت و حکمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

- سب سے آسان نیکی خندہ پیشانی اور شیریں کلامی ہے۔
- علم تلاش کرو چاہے وہ دشمن کے پاس ہو۔
- دوسروں کے عیوب ڈھونڈنے سے پہلے اپنے عیوب پر نظر ڈالو۔

- جس طرح میٹھا شربت پی جاتے ہو اسی طرح غصہ بھی پی جایا کرو۔
- بندہ خواہ خدا کے نزدیک برگزیدہ ہی کیوں نہ ہو مگر جب اس کو دنیا کا کچھ حصہ مل جاتا ہے تو خدا کے یہاں اس کا کوئی نہ کوئی درجہ ضرور گھٹ جاتا ہے۔
- آدمی اس وقت اہلِ علم کی جماعت میں شمار ہونے کے قابل ہوگا جب وہ اپنے بلند آدمی پر حسد نہیں کرے گا، اپنے سے کم تر کو حقیر نہ سمجھے گا اور اپنے علم کی قیمت نہ لے گا۔
- اخلاق خراب ہیں تو ایمان بھی خراب ہوگا۔
- گناہ کرنا چاہتے ہو تو وہ جگہ تلاش کرو جہاں اللہ موجود نہ ہو۔
- عبادت کی لذّت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تنہائی ڈھونڈو، دوستوں اور واقف کاروں سے علاحدگی اختیار کرو مگر یہ اس وقت جب روزی تلاش کرلو اور اہل وعیال کو میٹھی نیند سو لینے دو۔
- میں پہلے خود حدیث پر عمل کرتا ہوں اور پھر لوگوں کو سناتا ہوں۔

سیدنا ابن عمرؓ شکل وصورت میں اپنے جلیل القدر والد حضرت عمر فاروقؓ کے مشابہ تھے۔ دراز قد، گندمی رنگ اور بھاری بھرکم جسم، کندھوں تک کاکلیں تھیں، جن میں کبھی کبھی مانگ نکالا کرتے تھے۔ ڈاڑھی بقدر یک مشت۔ مونچھیں بہت باریک کترواتے تھے۔ بقول ابنِ سعدؒ زرد خضاب کرتے تھے۔

تمام صحابہؓ وتابعین جنھوں نے حضرت ابنِ عمرؓ کو دیکھا تھا بالاتفاق ان کے اوصاف حمیدہ تبحرِ علمی اور جلالتِ قدر کے معترف اور مداح تھے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ عہدِ رسالت کی حالت و کیفیت کا عبداللہ بن عمرؓ سے زیادہ پابند کوئی نہیں رہا۔ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ہر شخص کچھ نہ کچھ بدل گیا مگر عمرؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ نہیں بدلے۔ حضرت سعید بن میسّبؒ کہا کرتے تھے کہ میں کسی کے جنتی ہونے کی گواہی دے سکتا ہوں تو وہ ابنِ عمرؓ ہیں۔ میمون بن مہرانؒ کہتے تھے کہ میں نے ابنِ عمرؓ سے بڑھ کر کوئی متقی اور پرہیزگار نہیں دیکھا۔ حضرت سلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے تھے کہ میں نے ابنِ عمرؓ کی وفات کے بعد ان جیسا کوئی نہیں دیکھا وہ فضیلت میں اپنے والد کے قریب تھے۔ حضرت علی بن حسینؒ زین العابدین فرماتے تھے کہ عبداللہ بن عمرؓ کو زہد وتقویٰ اور اصابتِ رائے میں ہم سب پر برتری حاصل تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ